اردو کے قدیم عہد کی تفہیم اور دکنی و قدیم ادب کی لغات

Understanding Early and Deccan's Urdu Literature through Lexicographical Efforts.

ڈاکٹر ساجد صدیق نظامی
اسسٹنٹ پروفیسر اردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Like every evolving language of the world, the Urdu language also has made many developments in its nature through the course of time. The early history of the Urdu language shows a variety of different dialects, styles, and diction. Deccan period in the history of Urdu language and literature reflects this situation especially. Along with this fact, we find many efforts to resolve the peculiarity of the language of the above-mentioned era through lexicography. Masood Hussain Khan, Ghulam Umar Khan, Jamil Jalibi, Agha Haider Hassan, JavaidVaishisht, SayedaJafar, and some others have made some remarkable efforts through their lexicographical works about the Deccan and early period of Urdu. These works help us better understand the Deccan's or early literature. This article comprises an overview of such works. It also presents a comparison of these dictionaries.

کلیدی الفاظ: اردو قدیم اردو کی لغت، دکنی لغت، بحر المعانی، لطف علی عارف، سیدہ جعفر، مسعود حسین خان۔ امیر عارفی، تاریخ ادب اردو

اردو زبان کی عمر کوئی بہت زیادہ نہیں ہے اور اس میں تخلیق شدہ ادب تو اس سے بھی کم عمر ہے لیکن اس کے باوجود لغات اور فرہنگوں کی تیاری کے میدان میں ایسی ایسی کاوشیں سامنے آتی رہی ہیں کہ خوشگوار حیرت ہوتی ہے۔ چاہے وہ نو آبادکاروں کی تیار کردہ ذو لسانی لغات ہوں یا یہاں کے علما کی تیار کردہ یک لسانی لغات ہوں۔ راجا راجیشور راؤ اصغر کی 55 / جلدوں کی قاموس الہند ہو (جو ابھی شائع ہی نہیں ہو سکی)[1] یا

22/ جلدوں میں اردو لغت تاریخی اصول پر[2] یا پھر 14/ جلدوں پر مشتمل مہذب لکھنوی کی مہذب اللغات ہو[3] یہ سب اردو زبان کا قابلِ فخر سرمایہ ہیں۔ امیر مینائی امیر اللغات کی صرف 3/ ہی جلدیں تیار کر سکے جو الف، الفِ ممدودہ اور ب ہی کو محیط ہیں۔[4] امیر اللغات اگر مکمل ہو پاتی تو یقیناً اس کی اٹھارہ بیس سے کم جلدیں نہ ہوتیں۔[5] اسی طرح لغت نگاری کے میدان میں ایسی کاوشیں بھی نظر نواز ہوتی ہیں کہ کسی ایک مخصوص شعبۂ علم یا کسی مخصوص عہد، کسی مخصوص روایت کو سامنے رکھتے ہوئے اختصاصی نوعیت کی فرہنگیں اور لغات تیار کی گئی ہیں۔ 1947ء سے قبل جیسا کہ انجمن ترقی اردو، ہند کے اہتمام سے فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں مرتب ہو کے 8/ جلدوں میں شائع ہوئی۔[6] بہار اردو لغت میں یوسف الدین احمد بلخی نے صوبہ بہار کے مخصوص بول چال کے الفاظ جمع کر دیے گئے۔[7] عبد اللہ خویشگی کی فرہنگِ عامرہ میں صرف وہی الفاظ جمع کیے گئے جو عربی، فارسی اور ترکی سے اردو کا حصہ بنے ہیں۔[8] وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

اسی نوعیت کی کوششوں کا ایک رُخ دکنی عہد یا اسے بھی قدیم ادب کی فرہنگوں اور لغات تیار کرنا بھی رہا ہے۔ قریباً ایک صدی پیشتر اردو ادب کے اولین پڑاؤ دکن یا جنوبی ہندوستان میں تخلیق ہوئے اردو ادب کے متعلق معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ محققین اور اہلِ علم کی پوری کی پوری جماعت سامنے آنا شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ چند ہی دہائیوں میں دکنی دور کے اردو ادب کے بارے میں اتنا سرمایہ بہم پہنچا کہ قیاس آرائیاں، غلط اندازے، مبہم تنقیدی بیانات، ثبوت اور استناد کی کسوٹی پر پرکھے جانے لگے۔ مولوی عبد الحق، نصیر الدین ہاشمی، محی الدین قادری زور اور دیگر محققین اس ضمن میں اولیت کا درجہ رکھتے ہیں۔

ان محققین کے تحقیقی کام کی متعدد جہات تھیں۔ سب سے نمایاں کام دکنی دور کے متون کو محفوظ کرنا تھا۔ ان متون کو اوّل اوّل تو جیسے بھی بن پڑا، ترتیب و تدوین کے مراحل سے گزار کر محفوظ کر لیا گیا۔ اسی تحقیقی سرگرمی کا ایک زاویہ یہ بھی تھا کہ متون کی ترتیب کے ساتھ ساتھ نامانوس اور رواج سے ہٹے ہوئے الفاظ کی فرہنگ بھی تیار کی جاتی تھی۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ علاقائی اثرات کے اعتبار سے بھی اور زبان کی قدامت کے اعتبار سے بھی، دکنی عہد کے متون کی تفہیم میں سب سے بڑی رکاوٹ زبان کی غرابت ہی کی آڑے آتی ہے۔ 1932ء میں مولوی عبد الحق نے سب رس کو پہلی مرتبہ مرتب کیا تو یہ اہتمام کیا کہ متن کے آخر پر فرہنگ بھی ایزاد کی جائے۔[9] یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا اور جیسے جیسے دکنی عہد کے متون ترتیب پاتے گئے، ویسے ویسے متعلقہ متون کی فرہنگیں بھی تیار ہوتی گئیں۔

اس عمدہ سلسلے کے باوجود علیحدہ کتابی صورت میں قدیم و دکنی ادب کی فرہنگ کی ضرورت ختم نہیں ہوئی۔ مختلف محققین نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور ساٹھ کی دہائی میں اس نوعیت کے کاموں کا ڈول ڈالا جانے

لگا۔ یہ کام بہت زیادہ توجہ اور احتیاط کا متقاضی تھا۔ مستند متون کی دستیابی دشوار تھی اور بیشتر سرمایہ خطی نسخوں کی صورت میں منتشر تھا۔ اسی طرح چار چھ صدیاں قدیم کثیر لسانی معاشرے کے ذخیرۂ الفاظ کے جنگل کا سامنا تھا، جہاں ایک طرف تلگو، تمل، مراٹھی، کنڑ اور جنوبی ہند کی دیگر زبانوں کے الفاظ سر اٹھائے کھڑے تھے اور ایک جانب عربی و فارسی کے گہرے لسانی اثرات موجود تھے۔ ساتھ ہی ساتھ نئی زبان کا کینڈا تشکیل پا رہا تھا۔ دکنی اور قدیم عہد کے ادب کی فرہنگ و لغت نگاری میں در پیش آنے والی مشکلات کے ضمن میں سیدہ جعفر لکھتی ہیں:

> پانچ ساڑھے پانچ سو سال قدیم دکنی ادب کی لغت تیار کرنا آسان نہیں۔ یہ بڑا صبر آزما اور مشقت طلب کام ہے۔ لفظوں کے محل استعمال، ان کے معنوی پہلوؤں اور ان کے مزاج سے آشنائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں جو 'دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں'، ان کی تفصیل یہ ہے:
>
> 1۔ پورے دکنی متن کا بغور مطالعہ کرنا اور مطبوعات و مخطوطات سے استفادہ کرنا۔
>
> 2۔ متن سے الفاظ و محاورات اور اظہار کے پیکر اخذ کرنا۔
>
> 3۔ ہر لفظ کے مفہوم سے آگہی حاصل کرنا۔
>
> 4۔ لفظ کے ماخذ کی تلاش اور نشان دہی۔
>
> 5۔ دکنی کے شعری اثاثے اور نثری سرمائے سے لفظ کی ایسی مثالیں منتخب کرنا جن سے مفہوم کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا جا سکے۔
>
> 6۔ لفظ کی قواعدی حیثیت پر غور و خوض اور اس کی نشان دہی۔[10]

1960ء کی دہائی کے اوائل ہی میں مختلف محققین کی جانب سے مستقل کتابی صورت میں دکنی اور قدیم ادب کی لغات اور فرہنگوں کی تیاری کا کام شروع کیا جا چکا تھا۔ اس ضمن میں سید شعار احمد شعارؔ ہاشمی اوّلیت رکھتے ہیں جنھوں نے دکنی لغت کے عنوان سے گو مختصر ہی سہی، دکنی دور کے ادب کی لغت ترتیب دی۔ 1969ء میں مسعود حسین خان اور غلام عمر خان کی مشترکہ کاوش سے دکنی اردو کی لغت سامنے آئی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا۔ 1970ء میں ابو تراب خطائی ضامنؔ کی دکھنی لغات شائع ہوئی۔ 1972ء میں امیر عارفی نے دکنی فرہنگ کے عنوان سے دکنی عہد کی چھ نمائندہ مثنویوں (گلشنِ عشق، من لگن، قطب مشتری، سیف الملوک و بدیع الجمال، طوطی نامہ) کی فرہنگ ترتیب دی۔ 1973ء میں جمیل جالبی کی قدیم اردو کی لغت سامنے آئی، جس میں دکنی عہد کے ساتھ ساتھ گجراتی اور بہمنی دور کو بھی شامل کر لیا گیا تھا۔ پھر کچھ برس کے وقفے کے بعد 1987ء میں جاوید وشسٹ کی بحر المعانی نے اس میدان میں شہرت کمائی۔ 2002ء میں آغا حیدر حسن کی اسی نوعیت کی ایک کاوش دکنی لغت و تذکرہ دکنی مخطوطات کے

عنوان سے شائع ہوئی۔ اس سلسلے کی اب تک کی آخری لغت 2008ء میں سیدہ جعفر کی ترتیب و تہذیب سے دکنی لغت کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔

ذیل میں زمانی ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان لغات اور فرہنگوں کا مختصر تعارف کروایا جا رہا ہے۔

دکنی لغت

سید شعار احمد ہاشمی شعارؔ کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے دکنی عہد کے ادب کی لغت تیار کرنے میں پہل کی۔ یہ لغت مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد سے شائع ہوئی۔ اس پر سالِ اشاعت درج نہیں ہے۔ تقریظ علامہ عبداللہ العمادی کی لکھی ہوئی ہے۔ عبداللہ عمادی 1947ء میں وفات پا گئے تھے، اس باعث قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ لغت تیس یا چالیس کی دہائی میں شائع ہوئی ہوگی۔ لغت کی تمہید میں مؤلف لکھتے ہیں:

> یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ آج کل دکن کے ادبیات سے خاص دل چسپی لی جا رہی ہے اور ملک کے ہر گوشہ سے دکنی تصنیفات کا ذخیرہ فراہم کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس زبان کا کوئی لغت موجود نہ ہونے کے باعث دکنی لٹریچر پڑھنے اور سمجھنے میں سخت دشواریاں لاحق ہو رہی ہیں۔ غرض اس زبان کے ایک لغت کی سخت ضرورت تھی جس سے اس زبان کے لٹریچر کے مطالعہ میں مدد مل سکے اور اس زبان سے کامل واقفیت ہو جائے۔[11]

چھوٹی تقطیع پر 121/صفحات کی اس لغت میں مؤلف نے اپنے مآخذ کی جانب بالکل اشارہ نہیں کیا کہ کن متون کو سامنے رکھتے ہوئے انھوں نے یہ لغت ترتیب دی ہے۔ نیز اندراجات کے شمول میں مؤلف کا رجحان اختصار کی جانب بھی زیادہ رہا ہے۔ محتاط اندازہ ہے کہ لغت میں کل اندراجات کی تعداد ایک ہزار سے زائد نہیں ہوگی۔

مؤلف نے لغت کے آغاز میں 'چ' تک کے اندراجات میں اس بات کو یقینی بنایا ہے کہ ہر اندراج کے بعد اس کا قواعدی زمرہ ضرور درج کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے مختلف مخففات استعمال کیے ہیں اگرچہ لغت کے آغاز یا اختتام پر کہیں ان مخففات کی وضاحت نہیں کی گئی۔ نیز الفاظ تذکیر و تانیث کی نشاندہی بھی کرتے گئے ہیں۔ مگر یہ سلسلہ 'چ' کے اندراجات کے بعد جاری نہیں رہ سکا۔ اندراجات کے معانی کے ساتھ اسناد نہیں دی گئیں ہیں۔ سب جگہ پر تو نہیں مگر اکثر جگہوں پر اعراب کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مؤلف نے اس امر کا بھی اہتمام کیا ہے کہ ہر اندراج کے زیادہ سے زیادہ معانی و مترادفات درج کر دیے جائیں۔ کہیں کہیں اندراجات کے معانی بیان کرنے میں صراحت سے بھی کام لیا ہے۔ مثلاً:

ٹیمرو۔ تیندو۔ تیندوک۔ ایک جنگلی درخت کا پھل۔ اس درخت کے پتے مہوے کے پتوں سے مشابہ ہوتے ہیں۔ پھول سفید زردی مائل ہوتا ہے۔ اس کی لکڑی جلانے سے چنگاری اور آواز نکلتی ہے۔ اس درخت کے جوف سے سیاہ رنگ کی لکڑی نکلتی ہے جو کو آبنوس کہتے ہیں۔(12)

اکثر اندراجات کو دیکھ کر لگتا ہے کہ مؤلف نے معمول کے استعمال میں آنے والے الفاظ بھی لغت میں شامل کر لیے ہیں۔ جیسا کہ:

سِیری۔ وہ زمین جو زمینداروں کو سرکار سے بطور معاش بہ ذریعہ سندِ شاہی عطا ہوتی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ پرانے زمیندار اس کی کاشت اپنی ذات سے کرتے تھے اور شکمی کاشت کاروں کے تفویض نہیں کرتے تھے۔(13)

مؤلف نے تمہید میں لکھا ہے:

اس لغت سے شمالی ہند والوں اور اہلِ دکن دونوں کو یہ فائدہ ہوگا کہ اُدھر کے لوگ دکن کے قدیم ادیب و شعرا کے کلام کو سمجھ سکیں گے اور اِدھر اہلِ دکن دلی۔ لکھنؤ کی اردو سے واقف ہو جائیں گے۔(14)

ان دعاوی کے برعکس لغت کے مجموعی جائزے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف نے ادبی متون کے حل طلب لغات سے زیادہ معمول کے استعمال کے الفاظ لغت کا حصہ بنائے ہیں۔ بہرحال یہ امر قابلِ قدر ہے کہ شعار ہاشمی نے دکنی دور کی زبان اور ادب کی تفہیم کی خاطر لُغوی کاوشوں کی نیو رکھی، جس پر آگے چل کر مستحکم عمارت قائم ہوئی۔

دکنی اردو کی لغت

یہ لغت دکنی عہد کے اردو ادب کے نام ور محققین مسعود حسین خان اور غلام عمر خان کی مشترکہ کاوش کے سبب پہلی مرتبہ 1969ء میں آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی، حیدر آباد، دکن سے شائع ہوئی۔ دکنیات کے معروف محقق سید بدیع حسینی بھی اس کام میں مرتبین کے معاون رہے۔ انھیں اس منصوبے میں تنخواہ یاب معاون کے طور پر شامل کیا گیا تھا۔ 381/ صفحات پر مشتمل اس مبسوط لغت کی ترتیب و تہذیب اس امر کی شاہد ہے کہ اسے کس قدر کد و کاوش سے تیار کیا گیا ہے۔ دیباچے کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس لغت کی تیاری میں پانچ برس سے زائد کا عرصہ صرف ہوا ہے۔(15) دیباچے میں مسعود حسین خان لکھتے ہیں:

یہ قدیم دکنی اردو کی لغت ہے، جس کا تمام تر مواد اس زبان کے مخطوطات اور مطبوعات سے حاصل کیا گیا ہے۔ اس قسم کا کوئی کام نہ اب تک تجویز ہوا اور نہ مکمل کیا گیا ہے۔ تاہم مجھے پوری طرح احساس ہے کہ اس کی حیثیت نشانِ راہ کی ہے، منزل کی نہیں۔(16)

دیباچے کے بعد مخففات کی ایک طویل فہرست الفبائی ترتیب کے ساتھ دی گئی ہے جو بنیادی طور ان مآخذ کی فہرست ہی ہے جن سے استفادہ کرتے ہوئے اس لغت کے اندراجات کا تعین کیا گیا ہے۔ اس فہرست کے مطابق ایسے 267/ قلمی اور مطبوعہ مآخذ ہیں جن کا حوالہ لغت کے اندراجات میں آیا ہے۔ جن میں سے دو سو سے زائد قلمی یا غیر مطبوعہ ہی ہیں۔ ان مآخذ میں محض متون کے نسخے ہی شامل نہیں ہیں بلکہ قلمی نسخوں کی وضاحتی فہرستیں بھی شامل ہیں جن میں کچھ نہ کچھ کلام نمونے کے طور پر نقل کیا ہی گیا ہوتا ہے۔ البتہ یہ نکتہ محل نظر ہے کہ لغت سے استفادہ کرتے ہوئے قاری کس طرح اڑھائی سو سے زائد مخففات سے استفادہ ممکن بنا سکتا ہے۔

لغت کی تیاری کے دوران مؤلفین نے قریب تیرہ چودہ ہزار الفاظ جمع کیے تھے، جن میں سے آدھے اس لغت کا حصہ بن سکے۔ مسعود حسین خان اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> چھ سات ہزار الفاظ کے لیے جو اس لغت میں شامل کیے گئے ہیں، تقریباً دُگنی تعداد میں لفظ جمع کیے گئے تھے۔ کچھ جدید اردو سے مماثلت رکھنے کی وجہ سے چھانٹ دیے گئے۔ بعض ایسے الفاظ بھی خارج کر دیے گئے ہیں جن کے معنی آخر وقت تک مشتبہ رہے اور جو مرتب شدہ متون سے واضح نہ ہو سکے۔(17)

الف بائی ترتیب میں الفِ ممدودہ کو پہلے لایا گیا ہے۔ اعراب کی پابندی کم کم کی گئی ہے۔ اس امر سے بیشتر جگہ پر درست تلفظ تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لغت کے اندراجات کو دو کالموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اندراج کے سامنے ہی اس کا معنی درج ہے اور نچلی سطر میں اس کی سند دی گئی ہے۔ بعض جگہ دو، بعض جگہ تین اور چند ایک مقامات پر چار اسناد بھی دی گئی ہیں۔ ساتھ ہی حوالے کے لیے قلابین میں مخفف بھی دیا گیا ہے۔ اندراجات کے ساتھ قلابین میں کہیں کہیں کچھ وضاحتیں بھی کر دی گئیں ہیں۔ اگر اندراجات کی ترسیمی صورتیں قدیم ہیں یا سماعی ہیں تو ساتھ ہی قلابین میں درست املا بھی درج کر دیا گیا ہے۔ مثلاً آر (عار): شرم؛ سُندھر: (سندر) حسین۔ اگر کوئی اندراج کسی سنسکرت / مراٹھی / عربی / فارسی لفظ کی تبدیل شدہ شکل ہے تو متعلقہ زبان میں اس کی اصل صورت قلابین میں معنی کے ساتھ ہی کر دی گئی ہے۔ مثلاً چار: (س: چارو) حسن، خوبی؛ دھیر: (س: دھیریہ) ہمت والا، حوصلہ، استقلال؛ سیوٹ: (م: شیوٹ) کنارہ، حد، انتہا، حد درجہ؛ سرپن: (س: سرپ) سانپ؛ شطت: (ع: شطط) ظلم؛ غراز: (ف: گراز) مغرور، تند۔ اسی طرح کہیں کہیں اندراج کے ساتھ قلابین میں تفہیم میں آسانی کی خاطر اس کی صرفی ترکیب بھی کر دی گئی ہے۔ مثلاً کجلٹا پن: (کج +لٹ + پن) بانکپن؛ اپار: (ا+ پار) لامحدود، بے حد، وسیع۔ جہاں کہیں کسی ایک ہی معنی رکھنے والے اندراج کی دو صورتیں واقع ہوئی ہیں تو ان کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے اور معنی ایک ہی لکھا گیا ہے۔ مثلاً داڈِم / داڑِم: انار؛ رینتی / ریونتی: ریوتی، ایک پھول۔ اگر کسی اندراج کی

ایک ہی صورت ہے لیکن معانی الگ الگ ہیں اور ان معانی کی اسناد بھی موجود ہیں تو سبھی اندراجات الگ الگ ہی شامل کیے گئے ہیں۔ ایک ہی اندراج کے سامنے سبھی معنی اور اسناد نہیں دے دی گئیں ہیں۔

دکھنی لغات

سیّد ابوتراب خطائی ضامن کی کاوشوں سے یہ لغت پہلی مرتبہ 1970ء میں اردو لائبریری سنٹر، بنگلور (بنگلورو، کرناٹک، ہندوستان) سے شائع ہو کر منظرِ عام آئی۔ اس زمانے میں سید ابوتراب گورنمنٹ مہارانی کالج، میسور (کرناٹک) میں صدرِ شعبۂ فارسی و اردو تھے۔ اس لغت کا دوسرا ایڈیشن 2000ء میں مالک پبلی کیشنز، بنگلور سے شائع ہوا۔ اس اشاعت میں پچھلی اشاعت کے مقابلے میں لغات کی تعداد کچھ زیادہ ہے۔ اس ایڈیشن میں سیّد ابوتراب کے ساتھ ایک اور مرتب محمد صبغۃ اللہ کا اضافہ ہو گیا۔ قیاس ہے کہ ناشر ہونے کی حیثیت سے انھوں نے اپنا نام شامل کرنا مناسب ہو کیونکہ لغت میں کہیں انھوں نے اپنے حصے کے کام یا پہلے سے موجود کام میں اضافے کا تذکرہ نہیں کیا۔ عرضِ ناشر کے عنوان کے تحت بھی سید ابوتراب ہی کی تعریف کی ہے۔[18] ساتھ ہی ساتھ اس اشاعت میں پہلی اشاعت میں موجود دکنی عہد کے ادب اور زبان پر مفصل مقدمہ شامل نہیں کیا گیا۔ نہ ہی اس مقدمے کو حذف کرنے کا کوئی ذکر کیا گیا ہے۔ بہرحال یہاں پہلی اشاعت سے متعلق چند تعارفی باتیں لکھی جاتی ہیں۔

پہلے ایڈیشن میں لغت سے پہلے مرتب نے خاصا مفصل مقدمہ بھی تحریر کیا ہے جس میں دکنی عہد کی اردو کا مبسوط جائزہ لیا ہے۔ نیز ہریانی، گجری اور دکنی اردو کا تقابلی مطالعہ بھی کیا ہے۔ مقدمے کے اختتام پر لغت کی ترتیب و تہذیب کے حوالے سے کچھ زیادہ معلومات فراہم نہیں کی ہیں۔ البتہ 'اِعرابی نوٹ' میں درست تلفظ کی نشان دہی کے لیے زیر و زبر و پیش معروف، زبر و زیر مجہول اور نون غنّہ کی درمیانی شکل کے لیے چند ایک علامات کی تصریح کی ہے۔

ص24/ سے 147/ تک کو محیط لغت کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ سب سے نمایاں اور طویل ہے جو ص128/ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس حصے میں اندراجات کو دو کالموں میں درج کیا گیا ہے۔ اندراج کو ذرا جلی قلم سے خطِ نسخ میں کتابت کیا گیا ہے جبکہ اس کا معنی و مفہوم معمول کے قلم سے نستعلیق میں لکھا ہے۔ یہ حصہ دکنی عہد کی اردو میں مستعمل الفاظ کے اندراجات پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے میں ضرب الامثال کو الف بائی ترتیب سے جمع کیا گیا ہے۔ یہ حصہ ص129 سے ص138 تک کو محیط ہے۔ تیسرا حصہ جو ص139 سے 147 کو محیط ہے، میں خواتین میں مستعمل دکنی الفاظ، محاورات اور ضرب الامثال کو جگہ دی گئی ہے۔ مؤخرالذکر حوالے سے یہ لغت امتیازی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ نہ اس سے قبل اور نہ بعد میں دکنی و قدیم عہد کی لغات میں

خواتین میں مستعمل الفاظ پر مشتمل الگ سے کوئی حصہ ترتیب دیا گیا ہے۔ پیش لفظ میں ڈاکٹر خضر علی خان، پروفیسر اردو، عربی و فارسی، میسور یونیورسٹی لکھتے ہیں:

> اس لغات میں الفاظ و محاورات کی تعداد تقریباً پانچ ہزار ہے اور یہ اچھا خاصا ذخیرہ ہے۔ اس میں دکھنی کی مروّجہ زبان کے الفاظ بھی شامل ہیں، جن کو اکٹھا کرنے میں خطائی صاحب کو مختلف علاقوں کا سفر بھی کرنا پڑا ہے۔ ان چار ہزار الفاظ پر نظر ڈالنے سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ دکھنی کتنی ترقی یافتہ زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لغات سے ان حضرات کو بہت فائدہ حاصل ہو سکتا ہے جو Comparative Philology (تقابلی لسانیات) میں دل چسپی رکھتے ہیں۔
> (19)

لغت کے اختتام یا آغاز پر مرتب نے اپنے مآخذ کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ اختتام پر ایک مختصر سی کتابیات موجود تو ہے لیکن وہ لغت کے آغاز میں لکھے گئے مفصل مقدمے کے محتویات سے تعلق رکھتی ہے۔ اندراجات کے مطالب درج کرتے ہوئے کہیں بھی ان کے قواعدی زمروں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اگر کسی اندراج کی دو یا تین ترسیمی صورتیں ہیں تو انھیں ایک ہی اندراج کی شکل دے دی گئی ہے۔ مثلاً اِشغالنا، اشکالنا: بہکانا، سکھلانا؛ بھانت، بھات: طرح، قسم؛ جُوسِیا، جُوتِسی: جوتشی؛ دُھجنا، دھوجنا: کانپنا، لرزنا؛ سُلچھَّن، سُلکھَّن: نیک چلن، سلیقہ مند۔ البتہ اِعراب کے اہتمام کی خاصی کاوِش کی گئی ہے۔ جہاں اِعراب کی معمولی سی تبدیلی سے معانی میں تفاوت پیدا ہو جاتا ہے، وہاں دونوں اندراجات اِعراب کی صراحت کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ مثلاً: مُکَھنڈ: رہنما، لیڈر/ مُکَّھنڈ: غبی، جو ذہین نہ ہو؛ کُل: ترکیب، فریب/ کُلَ: ذات/ کَلا: غمزہ؛ کَلپنا: تڑپنا، کُڑھنا/ کَلپَنا: جوش، ولولہ۔

اندراجات کے معانی بیان کرنے میں کہیں بھی قدرے وضاحت میں جانے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ محض دو ایک جگہ پر صراحت سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً: نَورَس: اہلِ ہند کے نزدیک جذباتِ انسانی کی حسبِ ذیل نو حالتیں ہوتی ہیں، جو اصطلاح میں نورس کہلاتی ہیں۔ (1) شرنگار رَس: جذبۂ الفت (2) وِیر رَس: جذبۂ شجاعت (3) بیبھتس رَس: جذبۂ نفرت (4) رُدْر رَس: غضب (5) بھیانک رَس: جذبۂ خوف (6) ہاش رَس: جذبۂ سُرور (7) کَرُونا رَس: جذبۂ رحم (8) اَدْبھُت رَس: جذبۂ حیرت (9) شانت رَس: صبر و تحمل۔

محاورات کی توضیح والے حصے میں تقریباً ایک سو ساٹھ ستر محاورات کے مطالب بیان کیے ہیں۔ یہاں بھی چند ایک جگہوں ہی پر توضیح کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اکثر مقامات پر محاورے کے سامنے ایک ہی جملے میں اس کی وضاحت کر دی گئی۔ مثلاً: پُن پانپ معلوم اَچھنا: گناہ ثواب سے واقف ہونا؛ بھروسے کی بھینس کٹڑا جنی: جس پر بھروسا تھا اسی نے دھوکا دیا، جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔ جہاں کہیں کسی محاورے کی ایک سے زائد

صورتیں رائج ہیں، وہاں دونوں صورتیں درج کر دی گئیں ہیں۔ مثلاً: اندھے گنے کیا رَتن کیا پَھتّر / اندلے اَنگے کیا رَتَن کیا بَھتّر: بے قدروں کے پاس کسی چیز کی قدر و قیمت نہیں۔ دو ایک جگہ پر محاورات کی طوالت دکن کا ایک نیا پہلو سامنے لاتی ہے۔ مثلاً: آس کَری لَئی کھیت کَری چوڑا، قرض دار کا قرض جا کو ہاتھ آیا پھاوڑا: بے نفع کام کرنا، ایسا کام کرنا جس سے کچھ حاصل نہ ہو؛ بڑی عقل میں نَیں مِلے تو یوں خان جی جُوں شراب میں تاڑی جوں دودھ میں کانجی: احمق عقل مندوں کی ہم سری کا دعویٰ کرے تو ایسا ہے جیسا کہ شراب کے سامنے تاڑی اور دودھ کے سامنے چھاچھ ہو۔ تیسرا حصہ خواتین میں مستعمل لغات و محاورات کے اندراجات پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں تقریباً پونے دو سو اندراجات آگئے ہیں۔ دکنی لغات کی تفہیم کے حوالے سے یہ ایک نیا اور دلچسپ اضافہ ہے۔

اس لغت کے دوسرے ایڈیشن میں پہلے ایڈیشن کے مقابلے میں کچھ اضافے تو ہیں لیکن مرتب کا مفصل مقدمہ اور خواتین میں مستعمل لغات والا حصہ خارج کر دیا ہے۔ البتہ متن نستعلیق کمپیوٹر کمپوزنگ میں کتابت کیا گیا ہے۔

دکنی فرہنگ (چھ اہم مثنویوں کی فرہنگ)

امیر عارفی کی مرتبہ یہ فرہنگ پہلی مرتبہ 1972ء میں ادبی اکیڈمی، حیدر آباد، دکن سے شائع ہوئی۔ مرتب نے لغت اور فرہنگ کے مفہوم میں فرق روا رکھتے ہوئے فرہنگ کی اصطلاح کو لغت پر فوقیت دی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مرتب کے دکنی دور کی چھ اہم مثنویوں ہی کے متن کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فرہنگ ترتیب دی۔ ان مثنویوں میں گلشنِ عشق، مَن لگن، قطب مشتری، سیف الملوک و بدیع الجمال اور طوطی نامہ شامل ہیں۔ مرتب لکھتے ہیں:

> فرہنگ کے لیے ان [مثنویوں] کا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے کہ مختلف جامعات کے نصاب میں ان مثنویوں کو شامل کیا گیا ہے۔ ان مثنویوں کی فرہنگ طلبا اور اہلِ ذوق کی دشواریوں کو پیشِ نظر رکھ کر تیار کی گئی ہے۔ فرہنگ اور لغت میں جو باریک سا فرق ہے، اس کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کے لکھنے کا مقصد بھی یہی تھا۔[20]

امیر عارفی کے اس کام سے پہلے مسعود حسین خان اور غلام عمر خان کا مبسوط کام دکنی اردو کی لغت کے عنوان سے سامنے آچکا تھا۔ اس لغت کی موجودگی میں امیر عارفی اپنے کام کو نشانِ راہ قرار دیتے ہیں، معلوم نہیں کیوں؟ فرہنگ کی ترتیب کے دوران مرتب کا نقطۂ نظر یہ رہا ہے کہ الفاظ کے انتخاب میں سہل پسندی سے کام نہ لیا جائے بلکہ وہ الفاظ شامل کیے جائیں جو نامانوس، مشکل اور غریب ہوں۔ نیز وہ الفاظ بھی شامل کیے جائیں جو بہ ظاہر تو آسان معنی کے حامل لگتے ہوں لیکن اصل میں ان کے معنی کچھ اور ہوں۔ جہاں کسی لفظ کے

ایک سے زائد معنی نکلتے ہوں، وہاں کسی ایک معنی پر اکتفانہ کیا جائے بلکہ تمام ممکنہ معانی درج کر دیے جائیں۔ مثلاً رَج: آس، شوق، رَج: غیرت، شرم؛ راس: زائچہ، راس: ڈھیر؛ ڈونگر: پہاڑ، چٹان، ڈونگر: انبار؛ تھیر: قائم، تھیر: ٹھنڈی، تھیر: متواتر، مسلسل۔

مرتب نے الفاظ کے اندراج میں اس عہد کے رواج کے مطابق حروفِ تہجی میں الفِ ممدودہ کو پہلے لائے ہیں۔ الفاظ کے معانی درج کرتے وقت سند یا حوالہ نہیں دیا گیا کہ یہ لفظ کس شعر میں یا کس تصنیف میں استعمال ہوا ہے۔ الفاظ کے ساتھ ساتھ محاورات کا اندراج بھی ملتا ہے۔ اگر کسی لفظ کی ایک سے زائد ترسیمی صورتیں ہیں تو سبھی درج کر دی گئیں ہیں۔ مثلاً ڈھیر کے معانی میں استعمال ہونے والے ڈھگ، ڈھگار، ڈھیگار کی تینوں شکلیں درج کر دی گئیں ہیں۔ بعض اندراجات کے قدیم املا کو برقرار رکھ کر ان کے سامنے اصل املا لکھ دیا گیا ہے جس سے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ملازا: ملاحظہ، معرزا: معجزہ۔ اعراب کا اہتمام البتہ نہیں کیا گیا۔ مرتب نے اگرچہ کہیں اندراجات کی تعداد تو نہیں لکھی لیکن محتاط اندازے کے مطابق اس فرہنگ میں دو ہزار سے زائد الفاظ کے معانی درج کیے گئے ہیں۔

قدیم اردو کی لغت

حیرت ہوتی ہے کہ جمیل جالبی صاحب مرحوم و مغفور کو مبدءِ فیاض نے کیسی کیسی نادر صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ایسی کثیر الجہت اور کثیر الابعادی شخصیت اردو زبان کے نصیب میں نہ پہلے آئی اور نہ مستقبل میں اس کا امکان نظر آتا ہے۔ جالبی صاحب کا نسبی تعلق دکن سے بالکل نہ تھا، نہ وہ وہاں کبھی قیام پذیر رہے لیکن یہ ان کی علم سے وابستگی ہی کا خاصہ تھا کہ تاریخ ادب کے منصوبے کی پہلی جلد (جو بیشتر دکنی دور کے اردو ادب کو ہی محیط ہے) کی تصنیف کے دوران نظر سے گزرتے رہے قدیم اور دکنی متون کے مشکل لغات اور ان کے مطالب کو ساتھ جمع کرتے رہے۔ یوں تاریخ ادبِ اردو کی پہلی جلد کی تصنیف مکمل ہونے کے ساتھ ساتھ دکنی متون کی ایک لغت بھی تیار ہو گئی۔ جالبی صاحب کا یہ کام قدیم اردو کی لغت کے عنوان سے 1973ء میں مرکزی اردو بورڈ، لاہور (جو بعد میں اردو سائنس بورڈ کے نام سے موسوم ہوا) کی جانب سے شائع ہوا۔

جالبی صاحب سے پیشتر اگرچہ مسعود حسین خان اور غلام عمر خان کی مرتبہ دکنی اردو کی لغت ترتیب پا چکی تھی لیکن جالبی صاحب کے کام کا امتیاز یہ تھا اور ابھی بھی برقرار ہے کہ انھوں نے اس کام کی تکمیل میں محض دکنی دور کے متون کو سامنے نہیں رکھا بلکہ اس سے پہلے کے گجراتی اور بہمنی دور کے متون کو بھی اس دائرے میں لے آئے۔ اس مضمون میں متعدد دکنی لغات کا تذکرہ شامل ہے، وہ سب لغات دکنی عہد کے ادب سے متعلق ہیں۔ کوئی لغت اس سے پہلے کے ادوار کا احاطہ نہیں کرتی۔ اس لحاظ سے جالبی صاحب کی لغت آج بھی

ممتاز اور نمایاں ہے کہ اس میں گجراتی اور بہمنی دور کے متون کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اسی باعث لغت کا نام میں دکنی اردو کے بجائے قدیم اردو کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

قدیم اردو کی لغت کی ترتیب و تالیف کے دوران جن متون اور مآخذ کو مدِ نظر رکھا گیا، ان کی تعداد دو سو سے زائد ہے۔ ان میں سے تقریباً ایک سو پچاس مآخذ اور متون تب تک غیر مطبوعہ اور قلمی تھے۔ آج تک بھی ان میں بہت ہی کم مرتب ہو کر مطبوعہ صورت میں سامنے آ سکے ہیں۔ اسی ایک امر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جالبی صاحب نے ایک طرف تو تاریخ ادب اردو کی پہلی جلد کی خاطر کس قدر کاوش کی اور دوسری جانب اس لغت کی تیاری کے لیے کیسے کیسے نادر متون کو دیکھا۔ لغت کے پیش لفظ میں جالبی صاحب نے بجا طور پر لکھا ہے:

> اس لغت میں وہ الفاظ بھی شامل ہیں جو اردو زبان کی پہلی با قاعدہ تصنیف مثنوی کدم راو پدم راو میں استعمال ہوئے ہیں اور وہ الفاظ بھی جو گجری اردو میں شیخ باجن، شاہ علی جیو گام دھنی، قاضی محمود دریائی اور خوب محمد چشتی کی تصانیف میں ملتے ہیں۔ وہ الفاظ بھی جو عادل شاہی اور قطب شاہی دور کی تصانیفِ نظم و نثر میں میں نظر آتے ہیں۔۔۔ اس لغت کی تیاری میں جہاں کم و بیش قدیم ادب کی ساری مطبوعہ کتب سے استفادہ کیا گیا ہے، وہاں سینکڑوں قلمی بیاضوں اور مخطوطات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔[21]

قدیم اردو کی لغت میں گیارہ ہزار کے قریب الفاظ شامل کیے گئے ہیں۔ لغت کے اندراجات اور ان کے معانی کی تلاش کا سفر کوئی دس برس پر محیط ہے۔ یہ کام 1961ء میں شروع ہوا اور 1971ء میں مکمل ہوا۔ اس دوران جالبی صاحب نے کوئی اٹھارہ ہزار الفاظ جمع کیے اور مختلف طریقوں سے ان کے معانی تک رسائی حاصل کی۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> اس لغت کی داستان یہ ہے کہ تاریخ ادب اردو پر کام کرتے ہوئے مجھے سینکڑوں مخطوطات اور بیاضوں کے صحراؤں سے گزرنا پڑا۔ دورانِ مطالعہ اکثر ایسے لفظوں سے واسطہ پڑا جو میرے لیے اجنبی تھے۔ میں ان لفظوں کو ایک کاپی میں لکھ لیتا اور پھر سیاق و سباق کے حوالے، مختلف لغات کی مدد اور اہلِ قلم سے گفتگو کرنے کے بعد جب ان لفظوں کے معنی متعین ہو جاتے تو ان کے سامنے لکھ لیتا۔ کچھ عرصے بعد میں نے یوں کیا کہ ہر وہ لفظ جو قدیم ادب میں استعمال ہوا، اسے معنی اور حوالے کے ساتھ ایک کارڈ پر لکھ کر رکھ لیتا۔ یہ کام 1961ء میں شروع ہوا تھا اور 1971ء میں ختم ہوا۔ جب کام ختم ہوا تو تقریباً اٹھارہ ہزار الفاظ کا ذخیرہ میرے پاس تھا۔[22]

اس لغت میں جیسا کہ اوپر تذکرہ ہوا، قریب دس سے گیارہ ہزار لغات مع معانی درج ہوئے ہیں۔ جالبی صاحب نے اندراجات کے سامنے ان کے قواعدی زمرے کا یا کسی اور امتیاز کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی لغت کے آغاز میں کچھ مخففات طے کیے ہیں۔ اندراجات کے معنی بیان کرتے وقت اسناد کا اہتمام بھی نہیں کیا گیا۔ اندراجات کو ہر صفحے پر دو کالم میں تقسیم کر کے لکھا گیا ہے۔ کچھ جگھوں پر تلفظ واضح کرنے کی خاطر اِعراب سے بھی کام لیا گیا ہے۔ خاص کر ایسے مقامات پر جہاں ایک ہی ترسیمی صورت رکھنے والے مختلف المعانی الفاظ جمع ہو گئے ہیں۔ مثلاً: سَرا: جہاں، مکان، قیام کرنے کی جگہ / سُرا: شراب؛ پَران: نفس، جان، روح، سانس، دَم / پُران: ہندوؤں کی مذہبی کتاب؛ شَر: تیر / شِر: ماتھا، سر۔ ایک ہی معنی رکھنے والے اور ایک سے زائد صورتیں رکھنے والے اندراجات کو یک جا کر دیا گیا ہے۔ مثلاً: اناچت / انچت / اناچتی: اچانک، بے خبری میں، انجان پن سے؛ رِس / رُس: غصہ، غضب، عتاب، ہمت۔ اس لغت کا ایک امتیاز یہ بھی ہے اپنی ترتیب واشاعت سے لے کر اب تک، یہ لغت پاکستان میں قدیم ادب یا دکنی عہد کے ادب کی واحد ہی لغت ہے۔ پاکستان میں نہ اس سے پہلے سے اور نہ اس کے بعد کوئی محقق اس بار کو اٹھا سکا جو جمیل جالبی نے اٹھایا۔

بحرالمعانی

جاوید وششٹ کی کاوش سے تیار ہونے والی دکنی عہد کی یہ لغت 1987ء میں اُن کے اپنے ہی اہتمام سے شائع ہوئی۔ البتہ انھیں اس کام میں اردو اکادمی، دہلی کی مالی معاونت حاصل رہی۔ چھوٹی تقطیع پر 700/ صفحات پر پھیلی اس لغت کی سب سے پہلی قابلِ ذکر بات اس کا نام ہے۔ عام طور پر لغات ترتیب دیتے وقت سیدھے سے نام اختیار کر لیے جاتے ہیں۔ اسی نکتے کے پیشِ نظر فاضل مرتب نے لغت کا عنوان بحرالمعانی رکھا ہے اور یہ ترکیب سب رس سے مستعار لی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ملا اسد اللہ وجہی نے 'در زینت سخن و در نام گوید' کے تحت سب رس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "اگر کسی میں سخن شناسی ہور اسرار دانی ہے تو یو کتاب گنج العرش، بحرالمعانی ہے۔" لغت کا نام بحرالمعانی یہیں سے لیا گیا ہے۔[23]

اس کے بعد بحرالمعانی ہی کی مناسبت سے 'سازِ انا البحر' کے عنوان سے پیش لفظ میں اس لغت کی ترتیب و تہذیب پر قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔ مرتب کے مطابق جب انھوں نے نصابی ضروریات کے تحت دکنی ادب کی تدریس شروع کی تو ان کے سامنے کوئی ایسا کام نہیں تھا جو لغت کی ضروریات پوری کرتا۔ اس امر کے پیشِ نظر انھوں نے خود سے مختلف دکنی متون کی فرہنگوں کو نقل کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ خود بھی متون پر محنت کرتے رہے اور لغات کے معانی تلاش کرتے رہے، یہاں تک کہ جب کچھ برس بعد اس سرمایے کو

ترتیب دیا تو معلوم ہوا کہ کوئی دس ہزار سے زائد اندراجات جمع ہو چکے ہیں۔ اسی لیے فاضل مرتب کا خیال ہے کہ بحر المعانی مختلف فرہنگوں کا مجموعہ ہے۔[24]

علاوہ ازین مرتب نے پیش لفظ میں لغت کی ترتیب سے متعلق دیگر فنّی امور پر کچھ نہیں لکھا۔ جس سے ان کے طریقِ کار کا اندازہ نہیں ہو پاتا۔ لغت کے اختتام پر دی گئی کتابیات کے مطابق ماٰخذ کی تعداد 39 ہے۔ کتابیات میں ماخذ کا اندراج مع مصنف و مرتب کیا گیا ہے۔ یہ قابلِ ذکر ہے کہ ان ماٰخذ میں مرتب کے سامنے محض دکنی متون کی فرہنگیں ہی پیش نظر نہیں ہیں بلکہ دکنی عہد کے ادب کے حوالے سے دیگر تحقیقی و تنقیدی کتب میں بھی جہاں جہاں دکنی لغات کے معانی مندرج نظر آئے ہیں، انھیں بھی ماٰخذ میں شمار کر لیا گیا ہے۔ جیسا کہ اردو شہ پارے، دکن میں ریختی کا ارتقا، دکنی زبان کا آغاز و ارتقا، اردو غزل ولی تک وغیرہ۔ اسی طرح رسائل میں موضوع سے متعلق شائع شدہ اہم مضامین کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔

سید شعار احمد شعاؔر ہاشمی کی دکنی لغت کا تذکرہ تو ماٰخذ میں ملتا ہے البتہ یہ امر باعثِ حیرت ہے کہ مسعود حسین خان و غلام عمر خان کی دکنی اردو کی لغت، سید ابو تراب کی دکھنی لغات، امیر عارفی کی دکنی فرہنگ، جمیل جالبی کی قدیم اردو کی لغت کا ذکر ماٰخذ میں نہیں ملتا۔ حالانکہ یہ سب لغات تب تک شائع ہو چکی تھیں۔

اندراجات کی ترتیب کا انداز یوں ہے کہ پہلے قدرے جلی انداز میں اندراج لکھا گیا ہے، سامنے اس کے معنی ہیں اور پھر اس کے ماخذ کا ذکر قلّابین میں کیا گیا ہے۔ مثلاً نِشچر: راکشش، دیوزاد، خبیث (گلدستہ حفیظ اللہ خان)؛ ہزار: بلبل (نصرتی)؛ چاندن: چاندنی (بکٹ کہانی)۔ کسی اندراج کے معنی متعدد ماٰخذ میں بکھرے ہوئے ملے ہیں تو انھیں یک جا کر کے سبھی ماٰخذ کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ مثلاً لاوک: 1۔ خرافات، جھگڑا، بے چینی 2۔ خمیر اٹھانے کا کونڈا 3۔ چسکا، لپکا 4۔ لگاوٹ (علی نامہ، گلشنِ عشق، کلیاتِ شاہی، کلیاتِ شاہی[2])؛ چُپ: 1۔ جھوٹ، یونہی 2۔ بغیر کسی مقصد کے یونہی 3۔ یونہی، بے ضرورت، بلا خاص سبب یا وجہ، بے فائدہ، لا حاصل طور پر، اسی طرح۔ چُپکے بھی بولا جاتا ہے۔ (دکنی لغت، دکن میں ریختی کا ارتقا، کلیاتِ بحری)۔ کہیں کہیں مرتب نے اندراجات کے سامنے معنی درج کرنے سے پہلے ان کے قواعدی زمرے کی بھی نشاندہی کی ہے لیکن اس کے لیے انھوں نے کوئی ضابطہ نہیں اپنایا۔ اندراجات کا تلفظ ظاہر کرنے کے لیے اِعراب کا اہتمام بھی نہیں کیا گیا۔ محض پانچ فیصد اندراجات ایسے ہوں گے جن کا تلفظ اِعراب کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے۔

دکنی لغت و تذکرۂ دکنی مخطوطات

پروفیسر آغا حیدر حسن مرزا کی یہ کاوش ان کی وفات کے بعد مغنی تبسم کی کوشش سے 2002ء میں شائع ہوئی۔ اصل میں یہ کام دکنی عہد کے ادب کی لغت ہی پر مبنی ہے لیکن کتاب کے آخر میں تقریباً 70/ صفحات پر چالیس کے قریب دکنی مخطوطات کا تعارف بھی کروایا گیا ہے جو آغا حیدر حسن کے ذاتی کتب خانے کا حصہ تھے۔ آغا حیدر حسن کا یہ کام اس وقت شروع کیا گیا تھا جب دکنی عہد کے ادب کی لغات ابھی ترتیب پانا شروع نہیں ہوئی تھیں اور صرف سید شعار ہاشمی ہی کی مرتبہ فرہنگ سامنے آئی تھی۔ آغا صاحب نے لغت کے اندراجات کے لیے اپنے ذاتی کتب خانے میں موجود مخطوطات ہی کو بنیادی مآخذ بنایا اور انھی کی مدد سے اس لغت کو ترتیب دینا شروع کیا۔ یہ کام نامکمل ہی رہا اور ان کی وفات 1976ء کے بعد ایک طویل عرصے تک شائع نہ ہو سکا۔ اس صدی کے آغاز پر اسے مغنی تبسم کی ترتیب کے ساتھ سامنے لایا گیا۔

مغنی تبسم نے لغت سے استفادے میں بہتری اور تقابل کے لیے مزید چار لغات (دکنی اردو کی لغت؛ مسعود حسین خان، غلام عمر خان، قدیم اردو کی لغت؛ جمیل جالبی، دکنی لغت؛ سید شعار ہاشمی، فیروز اللغات؛ مولوی فیروز الدین) کو سامنے رکھا ہے۔ جہاں جہاں آغا حیدر حسن کی لغت اور ان لغات میں مشترک اندراجات ملے، وہاں ان کا اندراج بھی کر دیا گیا ہے۔

آغا حیدر حسن کی مرتبہ یہ لغت اس حوالے سے امتیاز رکھتی ہے کہ اس میں دکنی عہد کے متون کے ساتھ ساتھ حیدر آباد دکن کی روز مرّہ بول چال کے بھی الفاظ شامل کر لیے گئے ہیں۔ لغت کے اندراجات میں اوّل الذکر اندراجات کی شرح 75/ فیصد جبکہ مؤخر الذکر کی 25/ فیصد ہے۔ مغنی تبسم لکھتے ہیں:

> آغا صاحب کی مدوّنہ لغت کے دو مآخذ تھے۔ ایک ماخذ وہ مخطوطات تھے جو ان کے کتب خانے کی زینت تھے۔ دوسرا ماخذ اس وقت کے حیدر آباد کی بول چال کی زبان تھی۔۔۔ آغا حیدر حسن مرزا کی دکنی لغت کی اہمیت اور انفرادیت اجاگر کرنے کے لیے اس کا تقابل دکنی کی دیگر لغات سے کیا گیا تو انکشاف ہوا کہ اس میں ایک تہائی الفاظ ایسے شامل ہیں جو کسی اور دکنی لغت میں نہیں ملتے۔ (25)

یہ اختصاص دکنی یا قدیم عہد کی لغات میں نہیں پایا جاتا کہ ان میں دکن کی بول چال کے الفاظ بھی محفوظ کر لیے گئے ہوں۔ حیدر حسن کا الفاظ کو جمع اور محفوظ کرنے کا عمل طویل مدت پر پھیلا ہوا تھا اور ان عمل کے کئی ایک رخ تھے۔ اس حوالے سے مغنی تبسم لکھتے ہیں:

آغا حیدر حسن مرزا کو ان الفاظ اور محاوروں کی تلاش رہتی تھی جو حیدر آباد میں رائج تھے۔ یہاں کے لوگوں کی گفتگو کو غور سے سنتے اور سکہ بند معیاری زبان سے ہٹ کر کہیں کوئی لفظ یا محاورہ سنائی دیتا تو اسے تحریر کر لیتے۔ جو مفہوم ان کی سمجھ میں آتا، اپنے ملاقاتی حیدر آباد کے شرفا اور امرا سے اس کی توثیق کرتے۔ اپنی لغت میں کہیں کہیں انھوں نے حوالے بھی دیے ہیں کہ یہ لفظ یا محاورہ انھوں نے کس کی زبانی سنا تھا۔ مثلاً حیدر آبادی محاورہ چندیاں ہو جانا کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ میں نے اس محاورے کو اعلیٰ حضرت حضور نظام (میر عثمان علی خان) کی زبانِ مبارک سے سنا تھا۔ جیسے آئینہ چھوٹ گیا تو چندیاں ہو جائے گا۔[26]

لغت کی ترتیب میں اندراجات کی صورت اس طرح ہے کہ عام لغات کے برعکس جدول نہیں بنائے گئے بلکہ افقاً پورے صفحے ہی کو ایک اندراج کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اوپر قدرے جلی حروف میں اندارج دیا گیا ہے۔ اس کے سامنے مساوی کی علامت (=) ڈال کر اس کا معنی درج کیا گیا ہے۔ نیچے اس کی اسناد یا سند مع حوالہ دی گئی ہے۔ اگر متعلقہ اندراج حیدر آباد کی بول چال کی زبان میں سے ہے تو بھی اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ مثلاً:

آس پنڈو = گوہا نجنی۔

آنکھ کی برنی میں جو ایک باریک قسم کی پھنسی نکلتی ہے۔ باہر والے اس کو انجن باری کہتے ہیں۔ حیدر آباد میں (بھی) اکثر لوگ انجن بارے کہتے ہیں۔ یہ لفظ آج کل حیدر آباد میں بولا جاتا ہے۔[27]

جہاں کچھ تفصیل کا محل محسوس ہوا ہے، وہاں مرتب نے قدرے وضاحت سے بھی کام لیا ہے۔ جیسا کہ یہ مثال:

آنکھیں ہوئیں چار، دل میں آیا پیار۔ آنکھیں ہوئیں دو، پیار گیا کھو

یہ مثل آج کل حیدر آباد میں بولی جاتی ہے اور حیدر آبادیوں کے ادب آداب اور فہم و دانش پر دال ہے۔ یہ کیسے باتہذیب اور باآدب ہیں۔ اس کے بجائے دلّی اور شمالی ہند میں جو کہاوت مروج ہے، اس میں ایک قسم کی بدتہذیبی، بے ادبی اور سختی پائی جاتی ہے۔ جیسے: آنکھیں ہوئیں اوٹ، دل میں آیا کھوٹ۔ یعنی جس سے ہم گلہ کر رہے ہیں اس کو گالی دے دیتے ہیں یعنی کہ اس کو دل کا کھوٹا، بد نفس، بے ایمان، بے تکلف کہہ رہے ہیں حالاں کہ ہمارا مقصد صرف گلہ گزاری ہے، گالی گلوچ نہیں۔ لیکن ہماری مثل کے معنی کیے جائیں تو صاف گالی نکل آتی ہے۔ حیدر آبادیوں کی مثل میں اول سے آخر تک ناز، اخلاص و خلوص و خصوص قائم رہتا ہے۔ پھر آنکھیں ہوئیں دو میں جو ندرت ہے وہ داد سے بہت بالا ہے۔ علاحدگی کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔[28]

مؤلف کے اندراج، معنی اور اسناد کے بعد جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے، مرتب نے تقابل کی غرض سے، منتخب لغات میں سے بھی، جن کا ذکر اوپر کی سطور میں آیا ہے، متعلقہ اندراج کے معنی درج کر دیے ہیں۔

دکنی لغت

سیدہ جعفر کی مرتبہ دکنی لغت 2008ء میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی سے شائع ہوئی۔ اس لغت کی ترتیب کے لیے کونسل ہی نے سیدہ جعفر کو بطور مرتب ذمہ داری تفویض کی تھی۔ لغت کی ترتیب کے دوران سیدہ جعفر کو پروفیسر افضل الدین اقبال (سابق صدر شعبۂ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد) اور ڈاکٹر میر محبوب حسین (ریڈر، شعبۂ اردو، سنٹرل یونیورسٹی آف حیدر آباد) کی معاونت حاصل رہی۔ سیدہ جعفر لغت کا بنیادی خاکہ ترتیب دینے کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> اس لغت کی بنیاد دکنی متن پر رکھی گئی ہے، موجودہ دکنی بول چال کی زبان پر نہیں۔ ہر لفظ کے ساتھ اس کے معنیٰ اور مثالیں پیش کی گئیں ہیں تاکہ لفظ کا مکمل مفہوم قاری کے ذہن نشین ہو سکے۔ لغت کی ضخامت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ چار مثالیں پیش کی گئیں ہیں اور اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ اس مثالوں کے وسیلے سے لفظ کی مختلف معنوی ابعاد کا احاطہ کیا جا سکے۔ لفظ کے ساتھ ہی اس زبان کی نشان دہی کر دی گئی ہے جس سے اسے اخذ کیا گیا ہے۔۔۔ زیرِ نظر لغت میں لفظوں پر حسبِ ضرورت اعراب لگائے گئے ہیں تاکہ ان کا صحیح تلفظ گرفت میں آ سکے۔ (29)

اسی طرح فاضل مرتبہ نے اپنے مفصل مقدمے میں اس لغت کی ترتیب کے دوران مدِ نظر رہنے والے دیگر معیارات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اندراجات کے قواعدی زمرے متعین کرنے کے ضابطے، انفی اور مخلوط آوازوں کی نشاندہی کے لیے علامتوں کا تعین، اندراجات کی محرّف صورتوں درست تفہیم کے لیے مساعی، ضرب الامثال اور محاورات کے اندراج کا انداز اور اس نوعیت کے دیگر مباحث کو وضاحت کے بیان کیا گیا ہے۔

قدرے بڑی تقطیع کے ۵۲۱ رصفحات پر شائع شدہ اس لغت میں تیرہ ہزار سے زائد لغات جمع کر دیے گئے ہیں۔ اندراجات کی تعداد کے حوالے سے لغت اپنے پیشروؤں پر سبقت لے گئی ہے۔ نیز اس کی تہذیب و ترتیب بھی خاصی ترقی یافتہ ہے۔ اندراجات کے معانی کے ساتھ اسناد کی فراہمی نے اس کی افادیت دوچند کر دی ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ چار چار اسناد تک بھی درج کر دی گئیں ہیں۔ اسی طرح متعلقہ سند کے ساتھ تخلیق اور تخلیق کار کا نام بھی دے دیا گیا۔ البتہ یہ امر باعث حیرت ہے کہ لغت کے آغاز یا اختتام پر جملہ مآخذ کی مفصل فہرست یا کتابیات ترتیب نہیں دی گئی۔ اس کمی کے باوجود لغت کی افادیت میں کمی نہیں آتی۔

اندراجات اور ان کے معانی مع اسناد درج کرنے کا عام انداز یوں ہے: آدمیں: آدمی کی انفیائی ہوئی شکل (اسم۔ مذکر) طمع بھوت آدمیں کوں زیاں ہے (وجہی۔ قطب مشتری)؛ پسار: پھیلا کر، 1۔ پڑیا پھول پر جب بھنور

پنکھ پسار (حسن شوقی۔ فتح نامہ نظام شاہ) 2لگیا دیکھنے واں سو انکھیاں پسار (غواصی۔ طوطی نامہ)؛ سلونی: خوب صورت۔ حسینہ (اسم۔ مونث) سنی جوں او سندر سلونی یہ بول (غواصی۔ طوطی نامہ)۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ فاضل مرتب نے محض شعری متون ہی سے اسناد کی فراہمی کو کافی نہیں سمجھا بلکہ نثری متون سے بھی اعتنا کیا ہے۔ اِعراب کے ضمن میں زیادہ احتیاط کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ محاورات اور ضرب الامثال کو بھی عام اندراجات ہی میں شامل کر کے الفبائی ترتیب میں درج کر دیا گیا ہے۔ چند امثال ملاحظہ ہوں: طرح تمیز دیکھنا: رنگ ڈھنگ دیکھنا۔ جس طرح تمیز دیکھ لیے سو پھر اسے دیکھنا کیا فائدہ (ابراہیم بیجاپوری۔ انوار سہیلی)؛ جس کا مال گیا وہی چور: نقصان اٹھانا اور بدنامی مول لینا۔ کہ یہ بات مشہور ہر ٹھور ہے + گیا مال جس کا وہی چور ہے (ہاشمی۔ دیوانِ ہاشمی)۔

جن مقامات پر تقلیبِ حروف / Transposition کی کیفیت پیش آئی ہے، وہاں متعلقہ اندراج کے سامنے اس کا ذکر قلابین میں کر دیا گیا ہے۔ مثلاً چیکر: کیچڑ (تقلیبِ حروف) (اسم۔ مذکر) دو انگلیاں چیکر میں سو توں ڈوبیا (احمد جنیدی۔ ماہ پیکر)؛ چیکڑ: کیچڑ (تقلیبِ حروف) (اسم۔ مذکر) کہ نئیں تو پانی بھی چیکڑ میں یہ جھلک کاں کی (ابراہیم بیجاپوری۔ انوار سہیلی)۔ جہاں کسی اندراج کی صرفی ترکیب واضح کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے وہاں اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ مثلاً تُلنگ کار: (تلنگ: ترنگ (گھوڑا) + کار: سوار) گھوڑے پر سواری کرنے والا۔ تلنگ کار سب ملک گیری کیا (حسن شوقی۔ فتح نامہ نظام شاہ)؛ تلکوں: (تلک + کوں) تب تک۔ بھرے سفر تلکوں ہر عام نشاں (عبدل۔ ابراہیم نامہ)۔

مقدمے میں مرتبہ نے جن جن نکات کا مفصل تذکرہ کر کے اپنے کام کے خاکے کا نقشہ ترتیب دیا ہے، لغت میں ہر اس جگہ ان ضوابط کی پاس داری نہیں ملتی۔ اس کے باوجود مجموعی طور پر اس لغت کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اربابِ علم جانتے ہیں کہ لغت کی تیاری ویسے ہی ایک مشکل کام ہے کجا کہ قدیم اردو کی ایسی لغت ترتیب دی جائے۔ مصادر کی پرانی اور تبدیل شدہ شکلوں کو جاننا، اسمائے ضمیر کی مختلف صورتیں پہچاننا، اجنبی، نامانوس اور غریب الفاظ کی طویل قطار کے معانی تک پہنچنا اور بہت سی ایسی اڑچنیں قدم قدم پر مرتب کے سامنے آتی ہیں۔ جس دور میں 'البتہ' کو 'یقیناً' اور 'بے شک'، 'جنگی' کو 'سپاہی'، 'پھانکنا' کو 'جانا'، 'دھمک' کو 'جھپٹ'، 'سنار' کو 'حسین عورت' کے معنی میں اور 'کُرسی' سے مشابہ 'کَرَسی' اور 'کَرَسیں' کو بمعنی 'کرے گا' استعمال کیا جاتا ہو، اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ باقی لغات کے حل تک پہنچنے کے لیے کیا کچھ نہ کرنا پڑا ہوگا۔ اسی طرح ایک طرف تمِل، تلِگو، گجراتی اور مراٹھی زبان اور ساتھ ہی ساتھ عربی و فارسی کے بھی اثرات، دوسری جانب املا کی مختلف اور من مانی شکلیں؛ 'وضع' اور 'نفع' کو 'ع' کے بجائے 'الف' سے لکھنا، 'عصا' کو 'آسا' بنا دینا؛ حروفِ علت کو ساقط کر دینا،

کہیں اِعراب بالحروف سے کام لینا، غرض معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ان لغات کے مؤلفین کو اپنے اپنے کاموں کے کرنے کے لیے کیا کچھ کاوش کرنا پڑی ہوگی اور آنکھوں کا کیسا تیل ٹپکانا پڑا ہوگا۔

پس نوشت:

ذیل میں ایک اور لغت کا مختصر سا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔ اس لغت کا بنیادی خاکہ براہِ راست مضمون کے موضوع سے متعلق تو نہیں ہے لیکن دکن سے متعلق محاورات و لغات کا تذکرہ اس میں موجود ہے۔ یہاں اسی نسبت سے اس کا تعارف کروایا جا رہا ہے۔

دکن کی زبان

۱۳۵۴ھ بمطابق 1935ء میں ریاست حیدرآباد دکن کے پرگنہ ہتنورہ کے قاضی، ابو المعارف میر لطف علی عارف ابوالعلائی نے دکن کی زبان کے عنوان سے ایک بڑے منصوبے کا ڈول ڈالا۔ یہ لغت براہِ راست دکنی یا قدیم عہد کے ادب یا زبان کی لغت تو نہیں تھی۔ اس منصوبے کا اصل مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ:

> فصحائے لکھنؤ، دہلی اور حیدرآباد کی زبان ایک تھی اور عوام کی یہ غلط فہمیاں کہ 'دکن کی قدیم زبانِ اردو غیر فصیح ہے'، دور ہو جائیں کیونکہ کسی زبان کے غیر مانوس اور متروک ہو جانے سے اس کی فصاحت پر الزام نہیں آ سکتا۔ جیسا کہ خود اہلِ دہلی اور لکھنؤ کی زبان میں متروکات اور غیر مانوس الفاظ بہت سے ملتے ہیں لیکن ان دونوں مقامات کی زبان پر غیر فصیح ہونے کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ (30)

دکن کی زبان کی دستیاب پہلی جلد میں شائع ہونے والے اشتہار کے مطابق اس لغت کو تیس حصوں میں مکمل ہونا تھا اور ماہانہ بنیادوں ہر ایک حصہ شائع کیا جانا تھا۔ نیز تمام مجلدات کے اندراجات کا کُل شمار ایک لاکھ سے زائد ہونا تھا۔ راقم کو اس مضمون کی تحریر کے دوران پہلی جلد / حصے کے علاوہ اور کوئی حصہ مل نہیں پایا ہے۔ پہلے حصے، جو 48/ صفحات کو محیط ہے، میں 'ا' تک کے اندراجات موجود ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ رؤف پاریکھ "قاموس الہند: پچپن جلدوں پر محیط اردو کا نادر لغت - تعارف اور چند مغالطوں کا ازالہ" مشمولہ بنیاد، شمارہ 7 (لاہور: گرمانی مرکز برائے زبان وادب، لمز، 2016) ص 201 تا 223

2۔ اردو لغت تاریخی اصول پر، پہلی جلد (کراچی: ترقی اردو بورڈ، 1977ء)

اردو لغت تاریخی اصول پر، بائیسویں جلد (کراچی: ترقی اردو بورڈ، 2010ء)

3۔ سید محمد میرزا مہذب لکھنوی، مہذب اللغات، پہلی جلد (لکھنؤ: محافظ اردو بک ڈپو، 1958ء)

سید محمد میرزا مہذب لکھنوی، مہذب اللغات، چودھویں جلد (لکھنؤ: محافظ اردو بک ڈپو، ۱۹۸۹ء)

4۔ امیر مینائی، امیر اللغات، حصہ اول (آگرہ: مطبع مفیدِ عام، 1891ء)

امیر مینائی، امیر اللغات، حصہ دوم (آگرہ: مطبع مفیدِ عام، 1892ء)

امیر مینائی، امیر اللغات، اول ودوم (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1988ء) (عکسی اشاعت)

امیر مینائی، امیر اللغات، جلد سوم، تقدیم، تدوین، تحشیہ: رؤف پاریکھ (لاہور: شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، 2010ء)

5۔ امیر اللغات، جلد سوم، ص 8

6۔ مولوی ظفر الرحمٰن دہلوی، فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں، جلد اول (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، 1939ء)

مولوی ظفر الرحمٰن دہلوی، فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں، جلد ہشتم (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، 1944ء)

7۔ یوسف الدین احمد بلخی، بہار اردو لغت (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، 1984ء)

8۔ عبد اللہ خویشگی، فرہنگِ عامرہ (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2007ء)

9۔ وجہی، سب رس، مرتب: عبد الحق (اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو، 1932ء)

10۔ سیدہ جعفر، دکنی لغت (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 2008ء)، ص xii

11۔ شعار ہاشمی، دکنی لغت (حیدر آباد: مکتبہ ابراہیمیہ، سن ندارد)، ص 2-1

12۔ ایضاً، ص 41-40

13۔ ایضاً، ص 113

14۔ ایضاً، ص 3

15۔ مسعود حسین خان، غلام عمر خان، دکنی اردو کی لغت (حیدر آباد: آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی، 1969ء)، ص الف

16۔ ایضاً

17۔ ایضاً

18۔ سید ابو تراب خطائی ضامن، دکھنی لغات، دوسری اشاعت (بنگلور: مالک پبلی کیشنز، 2000ء)، ص 4-3

19۔ ایضاً، ص د، ہ

20۔ امیر عارفی، دکنی فرہنگ (حیدرآباد: ادبی اکیڈمی، 1972ء)، ص5

21۔ جمیل جالبی، قدیم اردو کی لغت (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۳ء)، ص 7

22۔ ایضاً

23۔ جاوید وشسٹ، بحر المعانی (فرید آباد (ہریانہ): 1987ء)، ص4

24۔ ایضاً، ص12

25۔ آغا حیدر حسن مرزا، دکنی لغت و تذکرہِ دکنی مخطوطات، مرتب: مغنی تبسم (حیدر آباد: آغا حیدر حسن مرزا ریسرچ سنٹر، 2002ء)، ص14

26۔ ایضاً، ص15

27۔ ایضاً، ص21

28۔ ایضاً، ص23

29۔ سیدہ جعفر، دکنی لغت، ص vi

30۔ عارف ابو لعلائی، دکن کی زبان (حیدر آباد: مطبع ادبیہ، نام پلی، 1935ء) ص 4